مولانا قاری محمد طیبؒ

فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا واحد طریق عمل

[دار العلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ ''دار العلوم'' کے شمارہ
جنوری رفروری ۱۹۷۹ء میں شائع شدہ مقالے سے اقتباسات]

۲۶ر دسمبر ۱۹۷۶ء کو ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ایک غیر معمولی اور عظیم اجلاس میں شرکت ہوئی جس کا موضوع تھا ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ''۔ اس اجلاس میں ملک کے تمام مرکزی اداروں کے نمائندوں اور تقریباً ہر مکتب خیال کے فضلاء اور دانش وروں نے شرکت کی۔ اجلاس کی اہمیت صدر جمہوریہ ہند عالی جناب فخر الدین علی احمد کی شرکت سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ احقر نا کارہ کو صدر اجلاس منتخب کیا گیا۔......

فکر ہی انسان کی امتیازی صفت ہے۔ فکر ہی انسانی حقیقت کی فصل ممیّز ہے۔ فکر ہی سے علم ومعرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔ فکر ہی انسان کی ظاہری اور باطنی قوتوں کا امام اور سربراہ ہے۔ اگر فکر اسلام میں مطلوب نہ ہوتا تو اجتہاد کا دروازہ کلیتاً مسدود ہو جاتا اور شرائع فرعیہ امت کے سامنے نہ آ سکتیں۔ یہ بحث الگ ہے کہ کس درجہ کا اجتہاد باقی ہے اور کس درجہ کا ختم ہو چکا ہے، مگر اجتہاد کی جنس بہر حال امت میں قائم رکھی گئی ہے جو برابر قائم رہے گی۔ اس لیے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اگر اس بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول کی طرف ہندوستان کے علمی حلقوں کی توجہ دلائی ہے اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں فکر اسلامی تشکیل جدید کی دعوت دی اور ارباب علم وفضل کو انسانی اور ربانی حقائق کے انکشافات کی طرف متوجہ کیا تو نہ صرف یہ کہ اس نے ایک بڑا بنیادی مسئلہ اٹھایا ہے، بلکہ خود جامعہ کی تاریخ کو بھی دہرایا ہے، کیونکہ جامعہ کی بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم وجدید تعلیم کو یکجا کر کے ملت کی مختلف صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینا تھا کہ فکر واحد کے راستے سے قوم کے ان دو گروہوں میں قدیم وجدید کی دوئی ختم کر کے انھیں افکار ونظریات اور عقائد ومقاصد کی وحدت سے قوم واحد بنا دیا جائے، اس لیے بلاشبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اس اقدام میں تبریک وتحسین کی مستحق ہے۔......

اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی اصول، اسلامی مزاج اور نبوت کا منہاج بجنسہٖ قائم رکھ کر جس میں دیانت وسیاست اور عبادت ومدنیت بیک وقت جمع ہے، وقت کے مسائل کو نئی تشکیل وترتیب سے نمایاں کر کے نئے حوادث میں قوم کی مشکلات کا حل پیش کیا جائے تو یہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل ہوگی جبکہ اس میں فقیہ المزاج

شخصیات، اسلامی اصول کی روشنی اور جزئیات عملیہ کی رعایت، اسلامی مزاج کی برقراری، سلف صالحین کا اسوہ، مرادات خداوندی کے ساتھ تقید، رضاءِ حق کی پاس داری، اجتماعی صلاح وفلاح، اخروی نجات کا فکر وغیرہ کی حدود قائم رکھی جائیں گی تو بلاشبہ ''فکر اسلامی تشکیل جدید'' دینی ہی رنگ کے ساتھ منظر عام پر آ جائے گی۔ مگر اسی کے ساتھ ان منتخب شخصیات میں جہاں اس دینی فکر اور تفقہ مزاج کی ضرورت ہے جس کی تفصیل عرض کی گئی، وہیں اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ وہ موجودہ دنیا کے مزاج اور وقت کو بھی پہچانتے ہوں۔ عصری حالات اور وقت کی ضرورت بھی ان کے سامنے ہوں۔ علوم عصریہ میں انھیں مہارت وحذاقت میسر ہو۔ دنیا کی عام رفتار اور آج کے ذہن کو بھی وہ سمجھے ہوئے ہوں اور اس میں ذی فہم اور ذی رائے بھی ہوں، کیونکہ حالات ہی اصل محرک فتاویٰ ہیں۔

اگر یہ منتخب شخصیات شرعیات کی خوگر ہوں، لیکن عصریات سے بے خبر ہوں یا برعکس معاملہ ہو تو فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں کٹھن مرحلہ ایسی جامع شخصیتوں کی فراہمی کا ہے جو شرعیات اور عصریات میں یکساں حذاقت ومہارت کی حامل ہو۔ عموماً اور اکثر وبیشتر ماہرین شرعیات، عصریات سے کچھ نابلد اور موجودہ دنیا کی ذہنی رفتار اور اس کے گونا گوں نظریات سے بے خبر ہیں اور ماہرین عصریات اکثر وبیشتر شرعیات سے ناآشنا ہیں۔ اس لیے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا بار اگر تنہا ایک طبقے پر ڈال دیا جائے تو علماء کی حد تک بلاشبہ مسائل کی تشکیل قابل وثوق ہوگی، لیکن ممکن ہے جدید طبقے کے اعتراضات کا ہدف بن جائے گی اور دوسری طرف ماہرین عصریات جب کہ عامۃً دینی مقاصد اور اسلام کے شرعی موقفوں کا زیادہ علم نہیں رکھتے اور قوم کے دینی مزاج سے کچھ بےگانہ بھی ہیں، اگر فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا بار محض انھی کے کندھوں پر ڈال دیا جائے تو حوادث کی حد تک وہ ماہرین شریعت کے اعتراضات کا ہدف بن جائے گی۔ بہر دو صورت تشکیل جدید کا خاکہ ناتمام بلکہ ایک حد تک نقصان دہ ثابت ہوگا۔

ان حالات میں درمیانی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس تشکیل کے لیے دونوں طبقوں کے مفکرین کی مشترک مگر مختصر اور جامع کمیٹی بنائے جائے جس میں یہ دونوں طبقے اسلام کے تمام تمدنی، معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اپنے اپنے علوم کے دائرے میں غور وفکر اور باہمی بحث وتمحیص سے کسی فکر واحد پر پہنچنے کی سعی فرمائیں اور جامع فکروں کو کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں مسائل کی تنقیح میں استعمال کریں تو وہ فکر یقیناً جامعیت لیے ہوئے گا جس میں دینی ذوق اور شرعی دستور بھی قائم رہے گا اور عصری حالات سے باہر بھی نہ ہوگا۔ نیز ایک طبقہ کا ہدف طعن وملامت نہ بن سکے گا اور مسائل کے بارے میں کوئی خلجان سدراہ نہ ہوگا۔

جمعیۃ علمائے ہند کا قیام: پس منظر اور مقاصد

[جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کے موقع پر مرتب کیا جانے والا تاریخی تعارفی کتابچہ]

نومبر ۱۹۱۹ء کی آخری تاریخوں میں خلافت کانفرنس کے جلسے کی تقریب سے تمام اقطار ہند کے علما کی ایک معتد بہ جماعت دہلی میں جمع ہوگئی تھی۔ خلافت کانفرنس کے اجلاسوں سے فارغ ہونے کے بعد تمام علمائے موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں صرف حضرات علما ہی شریک ہوئے۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کی تحریک اور مولانا منیر الزماں صاحب ودیگر حاضرین کی تائید سے جناب فاضل علامہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالباری صاحب اس جلسے کے صدر قرار پائے اور مولانا کی اجازت سے حسب ذیل کارروائی شروع ہوئی۔

جشن صلح میں شرکت کے متعلق مذہبی نقطہ نظر سے بحث مباحثہ کے بعد متفقہ طور پر وہ فتویٰ مرتب کیا گیا جو انجمن اشاعت اختلاف جشن صلح دہلی کی طرف سے طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ تمام علمائے حاضرین جلسہ نے بلا اختلاف اس پر اپنے اپنے دستخط فرما دیے اور اس اجتماعی حکم کا جو اثر اہل ملک پر ہونا چاہیے تھا، وہ خدا کے فضل وکرم سے بہ خوبی ظاہر وروشن ہوگیا۔

اسی جلسے میں یہ بات بھی زیر بحث آئی کہ ہندوستان کے مختلف گروہوں اور مختلف اقوام کی متحدہ انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں جو متفقہ کوشش اور قوت اتحادی سے بہت کچھ ملک وقوم کی خدمت کرتی ہیں اور اتفاق واتحاد کی برکات سے خود بھی متمتع ہوتی ہیں اور قوم کو بھی فائدہ پہنچاتی ہیں، لیکن آج تک علمائے ہند کی کوئی متفقہ جماعت یا انجمن قائم نہیں ہوئی اور بعض انجمنوں نے اس کی کوشش بھی کی تو وہ کچھ زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی، کیونکہ خیالات کا اختلاف اول تو انسان کی طبعی بات ہے۔ دوسرے مذہبی طبقے میں اختلاف چونکہ مذہبی رنگ پکڑ جاتا ہے، اس لیے اس کا دفعیہ اور زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی غیر مذہبی گروہ کے افراد میں اگر اختلاف ہو تو فریق مغلوب اگرچہ اپنے خیال کو صحیح بھی سمجھتا رہے، لیکن بہ وجہ اس کے کہ اس کے خلاف کثرت رائے سے فیصلہ ہو گیا ہے، وہ بغیر کسی پس وپیش کے اس فیصلے پر عمل کر سکتا ہے، لیکن مذہبی گروہ میں اگر ایسا اختلاف ہو تو فریق مغلوب سوائے ایسی صورت کے کہ اس کو اپنے خیال اور رائے کی غلطی کا یقین ہو جائے، کسی صورت میں اپنے اعتقاد ویقین کے خلاف عمل کو جائز نہیں سمجھتا، اگرچہ اس کے اعتقاد کے خلاف کتنی ہی زیادہ تعداد کے لوگ رائے دیتے ہوں۔ یہ ایک ایسا مرحلہ تھا کہ اس کا حل کوئی آسان کام نہیں تھا۔

تاہم بحث ومباحثہ کے بعد تمام علماے حاضرین نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ علما کی جماعت بھی ایسے امور میں جو تقریباً تمام مذہبی فرقوں میں متفق علیہ ہیں، متفقہ طور پر شریک ہو کر کام کر سکتی ہے اور بہ اقتضاے زمانہ اسی صورت سے مذہبی وقار اور علمی شوکت قائم رہ سکتی ہے کہ علما اپنی ایک مضبوط اور مقتدر جمعیت قائم کریں اور صرف مشترکہ مذہبی وسیاسی امور میں عامہ اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض ادا کریں۔ ان کی آواز اسی وقت باوقعت آواز ہوگی جب کہ وہ ایک باقاعدہ منظم جماعت کی طرف سے بلند ہو اور ان کی تعلیم ورہنمائی کی تکمیل اسی صورت سے ہو سکتی ہے کہ یہ اسے اتفاق واتحاد کی قوت سے موثر بنائیں۔

یہ ایسے امور تھے کہ ان کی معقولیت میں کسی کو کلام کرنے کی گنجایش نہ تھی۔ اس لیے تمام حاضرین جلسہ نے بہ اتفاق طے کر لیا کہ ایک جمعیت قائم کی جائے اور اس کا نام جمعیت علمائے ہند رکھا جائے۔ اس کے حلقے کو تمام ہندوستان کے لیے وسیع کر دیا جائے اور ہر گوشہ ملک سے اس کے ارکان واعضا بہم پہنچائے جائیں اور عامہ اہل اسلام کی فلاح وبہبود کے ذرائع ووسائل پر غور کر کے سچی مذہبی خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ ان کی رہنمائی کی جائے۔

چنانچہ اسی وقت تمام حاضرین نے جمعیت کی رکنیت منظور فرمائی اور جمعیت علمائے ہند قائم ہوگئی اور قرار پایا کہ آئندہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں مسلم لیگ کے اجلاس امرتسر میں ہونے والے ہیں اور مسئلہ خلافت ومسائل ٹرکی پر بحث کرنے کے خیال سے علمائے اسلام کی معقول تعداد وہاں جمع ہوگی، اس لیے مناسب ہے کہ اس موقع پر جمعیت علمائے ہند کا جلسہ بھی کیا جائے اور ابتدائی مراحل طے کر لیے جائیں۔ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری ومولوی سید محمد داؤد صاحب نے جمعیت علمائے ہند کے موجودہ اراکین کو امرتسر میں تشریف لانے کے لیے اسی وقت دعوت دے دی اور بالاتفاق طے ہو گیا کہ جمعیت کا جلسہ آئندہ دسمبر میں بہ مقام امرتسر منعقد ہوگا۔

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب نے تحریک کی کہ جمعیت علمائے ہند کے لیے بالفعل کوئی عارضی صدر اور عارضی ناظم مقرر کر لیا جائے تاکہ امور ضروریہ کے انصرام کی ایک آسان سبیل میسر ہو جائے اور صدارت کے لیے میں مولانا مولوی کفایت اللہ صاحب کا نام اور نظامت کے لیے مولانا حافظ احمد سعید صاحب کا نام پیش کرتا ہوں۔ اگرچہ مولانا مولوی محمد کفایت اللہ صاحب نے قبول صدارت سے بہت کچھ عذر کیا، لیکن حضرات حاضرین نے اس تحریک کو، جس کی تائید مولانا سلامت اللہ صاحب، مولانا مظہر الدین صاحب، مولانا محمد اکرم خاں صاحب ودیگر علماء کر چکے تھے، منظور کر دیا اور بالآخر مولانا کو بھی منظور کرنا پڑا اور مولانا حافظ احمد سعید صاحب نے بھی نظامت قبول فرمائی۔ اس کے بعد بہ اتفاق حاضرین مولانا محمد اکرم خاں صاحب ایڈیٹر اخبار محمدی، مولانا محمد کفایت اللہ صاحب اس کام کے لیے منتخب کیے گئے کہ جمعیت کے مقاصد وضوابط کا مسودہ تیار کریں اور جمعیت کے آئندہ دسمبر میں منعقد ہونے والے جلسے میں بہ مقام امرتسر پیش کریں۔ اس کے بعد دعائے خیر وبرکت پر جلسہ برخاست ہوا۔

دہلی کے اس جلسے میں علمائے ذیل موجود تھے:

حضرت مولانا عبدالباری صاحب　　　　مولانا سلامت اللہ صاحب

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب
مولانا اسد اللہ صاحب سندھی
مولانا مولوی محمد انیس صاحب
مولانا محمد کفایت اللہ صاحب
مولانا حافظ احمد سعید صاحب دہلوی
مولانا قدیر بخش صاحب
مولانا محمد ابراہیم صاحب دربھنگہ
مولانا مولا بخش صاحب امرتسری
مولانا محمد اکرم صاحب
مولانا محمد صادق صاحب
مولانا سید محمد اسماعیل صاحب
مولانا آزاد سبحانی صاحب
حضرت پیر محمد امام صاحب سندھی
مولانا سید محمد فاخر صاحب
مولانا خواجہ غلام نظام الدین صاحب
مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی
مولانا سید کمال الدین صاحب
مولانا تاج محمود صاحب
مولانا خدا بخش صاحب مظفر پوری
مولانا عبدالحکیم صاحب گیاوی
مولانا منیر الزماں صاحب
مولانا سید محمد داؤد صاحب
مولانا محمد عبداللہ صاحب

(ماخذ: ''سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ: ایک سیاسی مطالعہ'' از ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری)

مولانا محمد فیاض خان سواتی*

اکابر علماء دیوبند کا اجتماعی مزاج اور علمی رواداری

اکابر علماء دیوبند نے دو قسم کا کام کیا ہے۔ ایک وہ جو علمی و تحقیقی ہے اور ہمارے لیے مستقل راہنما ہے اور دوسرا وہ جو وقتی ضروریات اور تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے انجام دیا اور ہر دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس دور کے اکابرین ایسی حکمت عملی اختیار کرتے رہتے ہیں۔ ہندوستان میں قائم ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کو بطور نمونہ اور مثال کے پیش کیا جاسکتا ہے جس کے تحت تمام مسالک کے لوگ شامل ہیں اور اس بورڈ کے تحت ان کی وقتی ضروریات ان کی مسلکی اور فقہی رعایت رکھتے ہوئے پوری کی جاتی ہیں، حالانکہ اس ادارہ میں شریک وہ علماء اس سے متفق نہیں ہوتے۔ یہ بورڈ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی مشاورت سے قائم ہوا تھا بلکہ اس کے پہلے چیئرمین بھی وہی تھے۔ ان کے بعد اب تک اس بورڈ کے چیئرمین دیوبندی اور ندوی علماء کرام ہی مسلسل چلے آرہے ہیں۔

ایسے فورم اور بورڈ قائم کرنے میں اکابر کا نمونہ موجود ہے اور ہمارے ان اکابر نے امت کی اجتماعی ضروریات کے پیش نظر فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

☆ ہمارے شیخین کریمینؒ نے تو ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں کل جماعتی مجلس تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم سے گرفتاری دی تھی اور کئی ماہ جیل میں رہے تھے جو مشترکہ فورم تھا اور اس کے سربراہ بریلوی مکتبہ فکر کے مولانا ابو الحسنات قادری مرحوم تھے۔

☆ امام اہل السنۃؒ نے ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے نہ صرف گرفتاری دی تھی اور ایک ماہ جیل میں رہے تھے بلکہ ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے جب ایف، ایس، ایف کے کمانڈر نے ریڈ لائن عبور کرنے پر گولی ماردینے کی دھمکی دی تھی تو کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے امام اہل السنۃؒ یہ کہہ کر ریڈ لائن کراس کر گئے تھے کہ ''مسنون عمر پوری کرچکا ہوں اور شہادت کی تمنا رکھتا ہوں۔''

یہ پلیٹ فارم بھی مشترکہ فورم تھا جس کے سربراہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ تھے اور ان کے ساتھ مرکزی قیادت میں مولانا شاہ احمد نورانی مرحوم، علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم، میاں طفیل محمد مرحوم اور آغا مرتضیٰ پویا بھی شامل تھے۔

* مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ